

خدا کا قانون جس قدر یہ سے بندوں کو پہنچتا ہے اس کا نام رسالت ہے۔ اس درجہ سے ہمیں دو چیزیں ملتی ہیں۔ ایک کتاب جس میں خدا نے خود اپنا قانون بیان کیا ہے۔ دوسرے کتاب کی مستند تشریح جو رسول خدا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے قول اور عمل میں پیش کی ہے۔ خدا کی کتاب میں وہ تمام اصول بیان کر دئے گئے ہیں جن پر انسانی زندگی کا نظام قائم ہونا چاہیے۔ اور رسول نے کتاب کے اس منشا کے مطابق عملاً ایک نظام زندگی بنا کر چلا کر اور اس کی ضروری تفصیلات بتا کر ہمارے لئے ایک نمونہ قائم کر دیا ہے۔ انہی دونوں چیزوں کے مجموعے کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے۔ اور یہی وہ اساسی دستور ہے جس پر اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے۔

اب خلافت کو لیجئے۔ یہ لفظ عربی زبان میں نیابت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے دنیا میں انسان کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ زمین پر خدا کا نائب ہے، یعنی اس کے ملک میں اس کے دئے ہوئے اختیارات استعمال کرتا ہے۔ آپ جب کسی شخص کو اپنی جائیداد کا انتظام سپرد کرتے ہیں تو لازماً آپ کے پیش نظر چار باتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جائیداد کے اصل مالک آپ خود ہیں نہ کہ وہ شخص۔ دوسرے یہ کہ اس شخص کو آپ کی جائیداد میں آپ کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ اُسے اپنے اختیارات کو اُن حدود کے اندر استعمال کرنا چاہیے جو آپ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ چوتھے یہ کہ آپ کی جائیداد میں اُسے آپ کا منشا پورا کرنا ہو گا نہ کہ اپنا۔ یہ چار شرطیں نیابت کے تصور میں اس طرح شامل ہیں کہ نائب کا لفظ بولتے ہی خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتی ہیں اگر کوئی نائب ان چار شرطوں کو پورا نہ کرے تو آپ کہیں گے کہ وہ نیابت کی حدود سے تجاوز کر گیا اور اس نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نیابت کے عین مفہوم میں شامل تھا۔ ٹھیک یہی معنی ہیں جن میں اسلام انسان کو خدا کا خلیفہ قرار دیتا ہے اور اس خلافت کے تصور میں بھی یہی چاروں شرطیں شامل ہیں۔ اسلامی نظریہ سیاسی کی رو سے جو رہا۔ قائم ہو گی وہ دراصل خدا کی مالکیت کے تحت انسانی خلافت ہو گی جسے خدا کے ملک میں اسی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر کام کر کے اس کا منشا پورا کرے۔

خلافت کی اس تشریح کے سلسلہ میں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ اس معنی میں اسلامی نظریہ سیاسی کسی ایک شخص یا خاندان یا طبقے کو خلیفہ دستدار نہیں دیتا بلکہ اُس پوری سوراٹھی کو خلافت کا منصب سونپتا ہے جو توحید اور رسالت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر کے نیابت کی شرطیں پوری کرنے پر آمادہ ہو۔ ایسی سوراٹھی بحیثیت مجموعی خلافت کی حامل ہے اور یہ خلافت اس کے ہر فرد کو پہنچتی ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے اسلام میں جمہوریت کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد خلافت کے حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔ ان حقوق اور اختیارات میں تمام افراد بالکل برابر کے حصہ دار ہیں۔ کسی کو کسی پر نہ تو ترجیح حاصل ہے اور نہ ہی حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کو ان حقوق اور اختیارات سے محروم کر سکے۔ ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے جو حکومت بنائی جائیگی وہ انہی انسداد کی مرضی سے بنیگی۔ یہی لوگ اپنے اختیارات خلافت کا ایک حصہ اُسے سونپینگے۔ اُس کے بغیر میں ان کی رائے شامل ہوگی اور ان کے مشورے ہی سے وہ چلیگی۔ جو ان کا اعتماد حاصل کر لے گا وہ ان کی طرف سے خلافت کے فرائض انجام دے گا اور جو ان کا استہزاء کھو دے گا اسے حکومت کے منصب سے ہٹا دیا جائے گا۔ اس لحاظ سے اسلامی جمہوریت ایک مکمل جمہوریت ہے، اتنی ہی مکمل جتنی کوئی جمہوریت ہو سکتی ہے۔ البتہ جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے اصولاً الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریہ سیاسی جمہوری حاکمیت کا قائل ہے اور اسلام جمہوری خلافت کا۔ وہاں جمہور خود بادشاہ ہیں۔ یہاں بادشاہی خدا کی ہے اور جمہور اس کے خلیفہ ہیں۔ وہاں اپنی شریعت جمہور آپ بناتے ہیں۔ یہاں ان کو اس شریعت کی پابندی کرنی ہوتی ہے جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعے دی ہے۔ وہاں حکومت کا کام جمہور کا منشا پورا کرنا ہوتا ہے۔ یہاں حکومت اور اس کے بنانے والے جمہور سب کا کام نہ بھانٹنا پورا کرنا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی جمہوریت ایک مطلق العنان خدائی ہے جو اپنے اختیارات کو آزادانہ استعمال کرتی ہے۔ اور اس کے برعکس اسلامی جمہوریت ایک پابند آئین بندگی ہے جو اپنے اختیارات کو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرتی ہے۔

اب میں آپ کے سامنے اس ریاست کا ایک مختصر مگر واضح نقشہ پیش کر دوں گا جو توحید رسالت اور خلافت کے ان بنیادی اصولوں پر مبنی ہے۔

اس ریاست کا مقصد قرآن میں صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان بھائیوں کو قائم کرے، فروغ دے اور پروان چڑھائے جن سے خداوند عالم انسانی زندگی کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، اور ان بھائیوں کو روکے دوائے اور مٹائے جن کا وجود انسانی زندگی میں خداوند عالم کو پسند نہیں ہے۔ اسلام میں ریاست کا مقصد نہ محض انتظام ملکی ہے اور نہ یہ کہ وہ کسی خاص قوم کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرے۔ اس کے بجائے اسلام اس کے ساتھ ساتھ ایک بلند نصب العین رکھ دیتا ہے جس کے حصول میں اسے اپنے تمام مسائل و ذرائع اور اپنی تمام طاقتیں صرف کرنی چاہئیں، اور وہ یہ ہے کہ خدا اپنی زمین میں ادراپنے بندوں کی زندگی میں جو پاکیزگی جو حسن جو خیر و صلاح، اور جو ترقی و فلاح دیکھنا چاہتا ہے وہ رونما ہو اور بگاڑ کی آن تمام صورتوں کا سد باب ہو جو خدا کے نزدیک اس کی زمین کو اجاڑنے والی اور اس کے بندوں کی زندگی کو خراب کرنے والی ہیں۔ اس نصب العین کو پیش کرنے کے ساتھ اسلام ہمارے سامنے خیر اور شر و فتنوں کی ایک واضح تصویر رکھتا ہے جس میں مطلوبہ بھائیوں اور ناپسندیدہ برائیوں کو صاف صاف نمایاں کر دیا گیا ہے۔ اس تصویر کو نگاہ میں رکھ کر ہر زمانے اور ہر ماحول میں اسلامی ریاست اپنا اصلاحی پروگرام بنا سکتی ہے۔

اسلام کا مستقل تقاضا یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کی جائے، اس لیے وہ اپنی ریاست کے لئے بھی یہ قطعی پالیسی معین کر دیتا ہے کہ اس کی سیاست بے لاگ انصاف و بیوقوف چمائی، اور کھری ایمان داری پر قائم ہو۔ وہ ملکی یا انتظامی یا قومی مصلحتوں کی خاطر جھوٹے فریب اور بے انصافی کو کسی حالی میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ملک کے اندر راعی اور رعایا کے باہمی معاملات ہو یا ملک کے باہر دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات و دونوں میں وہ صداقت، دیانت اور انصاف کو اغراض و مصالح پر مقدم رکھنا چاہتا ہے۔ مسلمان افراد کی طرح مسلم ریاست پر بھی وہ یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ عہدہ کو اسے وفا کر لینے اور دینے کے پیمانے یکساں رکھو، جو کچھ کہتے ہو وہی کر دو اور جو کچھ کرتے

ہو وہی کہو اپنے حق کے ساتھ اپنے فرض کو بھی یاد رکھو اور دوسرے کے فرض کے ساتھ اس کے حق کو بھی نہ بھولو طاقت کو ظلم کے بجائے انصاف کے قیام کا ذریعہ بنو، حق کو ہر حال حق سمجھو اور اسے ادا کرو، اقتدار کو خدا کی امانت سمجھو اور اس یقین کے ساتھ اسے استعمال کرو کہ اس امانت کا پورا احاب تمہیں اپنے خدا کو دینا ہے۔

اسلامی ریاست اگرچہ زمین کے خاص خطہ ہی میں قائم ہوتی ہے مگر وہ نہ انسانی حقوق کو ایک جنرافی حد میں محدود رکھتی ہے اور نہ شہریت کے حقوق کو۔ جہاں تک انسانیت کو تعلق ہے اسلام ہر انسان کے لئے چند بنیادی حقوق مقرر کرتا ہے اور ہر حال میں ان کے احترام کا حکم دیتا ہے خواہ وہ انسان اسلامی ریاست کے حدود میں رہتا ہو یا اس کے باہر خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، خواہ ہم سے صلح رکھتا ہو یا برسرِ جنگ۔ انسانی خون ہر حال میں محترم ہے اور حق کے بغیر اسے نہیں بہایا جاسکتا۔ عورت، بچے، بوڑھے، بیمار اور زخمی پر دست درازی کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عورت کی عصمت ہر حال احترام کی مستحق ہے اور اسے بے آبرو نہیں کیا جاسکتا۔ بھوکا آدمی روٹی کا، تنگ آدمی کپڑے کا اور زخمی یا بیمار آدمی علاج و تیمار داری کا ہر حال مستحق ہے خواہ وہ دشمن قوم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ اور ایسے ہی چند دوسرے حقوق اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان ہونے کے عطا کئے ہیں اور اسلامی ریاست کے دستور میں ان کو بنیادی حقوق کی جگہ حاصل ہے۔ رہے شہریت کے حقوق تو وہ بھی اسلام صرف انہی لوگوں کو نہیں دیتا جو اس کی ریاست کے حدود میں پیدا ہوئے ہوں، بلکہ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں پیدا ہوا ہو، اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہوتے ہی آپ سے آپ اس کا شہری بن جاتا ہے اور پیدائشی شہریوں کے برابر حقوق کا مستحق قرار پاتا ہے۔ دنیا میں جتنی اسلامی ریاستیں بھی ہوں گی ان سب کے درمیان شہریت مشترک ہوگی۔ مسلمان کو کسی اسلامی ریاست کے حدود میں داخل ہونے کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت نہ ہوگی۔ مسلمان کسی نسلی، قومی یا طبقاتی امتیاز کے بغیر ہر اسلامی ریاست میں بڑے سے بڑے ذمہ داری کے منصب کا اہل ہو

ہو سکتا ہے۔

غیر مسلموں کے لئے جو کسی اسلامی ریاست کی حدود میں رہتے ہوں، اسلام نے چند حقوق معین کر دیے ہیں اور وہ لازماً دستور اسلامی کا جز ہونگے۔ اسلامی اصطلاح میں ایسے غیر مسلم کو ذمی کہا جاتا ہے، یعنی جس کی حفاظت کا اسلامی ریاست نے ذمہ لیا ہے۔ ذمی کی جان، مال اور آبرو بالکل مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی طرح محترم ہے۔ فوجداری اور دیوانی قوانین میں مسلم اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ذمیوں کے پرسنل لائیں اسلامی ریاست کوئی مداخلت نہ کریگی فیصلوں کو ضمیر و اعتقاد اور مذہبی رسوم و عبادات میں پوری آزادی حاصل ہوگی۔ ذمی اپنے مذہب کی تبلیغ ہی نہیں بلکہ قانون کی حد میں رہتے ہوئے اسلام پر تنقید بھی کر سکتا ہے۔ یہ اور ایسے ہی بہت سے حقوق اسلامی دستور میں غیر مسلم رعایا کو دیئے گئے ہیں اور یہ مستقل حقوق ہیں جنہیں اس وقت تک سلب نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ ہمارے ذمہ سے خارج نہ ہو جائیں۔ کوئی غیر مسلم حکومت اپنی مسلمان رعایا پر چلے کتنے ہی ظلم ڈھائے، ایک اسلامی ریاست کے لئے اس کے جواب میں اپنی غیر مسلم رعایا پر شریعت کے خلاف ذرا سی دست درازی کرنا بھی جائز نہیں، حتیٰ کہ ہماری سرحد کے باہر چلے تمام مسلمان قتل کر دیئے جائیں، ہم اپنی حد کے اندر ایک ذمی کا خون بھی قانونی حق کے بغیر نہیں بہا سکتے۔

اسلامی ریاست کے انتظام کی ذمہ داری ایک امیر کے سپرد کی جائیگی جسے صدر جمہوریہ کے مماثل سمجھنا چاہیے۔ امیر کے انتخاب میں تمام اُن باغ مردوں اور عورتوں کو رائے دینے کا حق حاصل ہوگا جو دستور کے اصولوں کو تسلیم کرتے ہوں۔ انتخاب کی بنیاد یہ ہوگی کہ روح اسلام کی فہمیت

۱۔ اس مسئلے پر تفصیلی بحث میں لے اپنے مضمون اسلام میں مرتد کا حکم میں کی ہے۔ یہاں صرف اتنی بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلامی دستور میں غیر مسلموں کو تبلیغ اور تنقید کا جو حق دیا گیا ہے وہ غیر محدود نہیں ہے بلکہ اُن حد کے اندر تنقید ہے جو قوانین کی ہیں اس کے لئے مقرر کی گئی ہوں۔ بہر حال ایک ذمی کا یہ حق ناقابل انکار ہے کہ وہ معقول طریقہ سے اپنے مذہب کی حوجاں بیان کرے یا اُن وجوہ کا اظہار کرے جنکی بنا پر وہ اسلام کو اپنا دین بنانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

اسلامی سیرت اخلاقی اور مذہبی کے اعتبار سے کون شخص سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے۔ ایسے ہی شخص کو امارت کے لئے منتخب کیا جائیگا۔ پھر اس کی مدد کے لئے ایک مجلس شوریٰ بنائی جائیگی اور وہ بھی لوگوں کی منتخب کردہ ہوگی۔ امیر کے لئے لازم ہوگا کہ ملک کا انتظام اہل شوریٰ کے مشورہ سے کیے۔ ایک امیر اسی وقت تک حکمران رہ سکتا ہے جب تک اسے لوگوں کا اعتماد حاصل ہے۔ عدم اعتماد کی صورت میں اسے جگہ خالی کرنی ہوگی۔ مگر جب تک وہ لوگوں کا اعتماد رکھتا ہے اسے حکومت کے پورے اختیارات حاصل رہیں گے اور وہ شوریٰ کی اکثریت کے مقابلہ میں وٹو کا استعمال کر سکے گا۔ امیر اور اس کی حکومت پر عام شہریوں کو نکتہ چینی کا پورا حق حاصل ہوگا۔

اسلامی ریاست میں قانون سازی ان حدود کے اندر ہوگی جو شریعت میں مقرر کی گئی ہیں۔ خدا اور رسول کے واضح احکام صرف اطاعت کے لئے ہیں کوئی مجلس قانون ساز ان میں رد و بدل نہیں کر سکتی۔ رہے وہ احکام جن میں دوبارہ تعبیر ممکن ہیں تو ان میں شریعت کا مضمنا معلوم کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو شریعت کا علم رکھتے ہوں۔ اس لئے ایسے معاملات مجلس شوریٰ کی اس سب کمیٹی کے سپرد کئے جائیں گے جو علماء پر مشتمل ہوگی۔ اس کے بعد ایک وسیع میدان ان معاملات کا ہے جن میں شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ ایسے تمام معاملات میں مجلس شوریٰ قوانین بنانے کے لئے آزاد ہے۔

اسلام میں عدالت انتظامی حکومت کے ماتحت نہیں ہے بلکہ براہ راست خدا کی نمائندہ اور اس کے برابر ہے۔ وہ ہے۔ اگرچہ حاکمان عدالت کو مقرر تو انتظامی حکومت ہی کریگی، مگر جب ایک شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھ جائیگا تو وہ خدا کے قانون کے مطابق لوگوں کے درمیان بے لاگ انصاف کریگا اور اس نے انصاف کی زد سے خود حکومت بھی نہ بچ سکیگی سچی کہ حکومت کے رئیس اعلیٰ کو بھی مدعی یا مدعا علیہ کی حیثیت سے اس کے سامنے اسی طرح حاضر ہونا پڑیگا جیسے ایک عام شہری حاضر ہوتا ہے۔

۳۔ معاشرتی نظام

اسلام کے معاشرتی نظام کا سنگ بنیاد یہ نظریہ ہے کہ دنیا کے سب انسان ایک نسل سے ہیں۔ خدا نے سب سے پہلے ایک انسانی جوڑا پیدا کیا تھا، پھر اسی جوڑے سے وہ سارے لوگ پیدا ہوئے جو دنیا میں آباد ہیں۔ ابتدا میں ایک مدت تک اس جوڑے کی اولاد ایک ہی امت بنی رہی۔ ایک ہی اس کا دین تھا۔ ایک ہی اس کی زبان تھی۔ کوئی اختلاف اس کے درمیان نہ تھا۔ مگر چونکہ ان کی تعداد بڑھتی گئی، وہ زمین پر پھیلنے چلے گئے اور اس پھیلاؤ کی وجہ سے قدرتی طور پر مختلف نسلوں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان کی زبانیں الگ ہو گئیں، لباس الگ ہو گئے، رہن سہن کے طریقے الگ ہو گئے، اور جگہ جگہ کی آب و ہوا نے ان کے رنگ روپ اور خدو خال تک بدل دیے۔ یہ سب اختلافات فطری اختلافات ہیں۔ واقعات کی دنیا میں موجود ہیں۔ اس لئے اسلام ان کو بطور ایک واقعہ کے تسلیم کرتا ہے۔ وہ ان کو مٹانا نہیں چاہتا، بلکہ ان کا یہ فائدہ مانتا ہے کہ انسانوں کا باہمی تعاون اور تعاون اسی صورت سے ممکن ہے۔ لیکن ان اختلافات کی بنا پر انسانوں میں نسل، رنگ، زبان، قومیت، اور وطنیت کے جو قصبات پیدا ہو گئے ہیں ان سب کو اسلام غلط قرار دیتا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان اونچ نیچ، شریف اور کمین، اپنے اور غیر کے جتنے فرق پیدائش کی بنیاد پر کر لئے گئے ہیں، اسلام کے نزدیک یہ سب جاہلیت کی باتیں ہیں۔ وہ تمام دنیا کے انسانوں سے کہتا ہے کہ تم سب ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو لہذا ایک دوسرے کے بھائی ہو، اور انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہو۔

انسانیت کا یہ تصور اختیار کرنے کے بعد اسلام کہتا ہے کہ انسان اور انسان کے درمیان اصلی فرق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ رنگ، نسل، وطن اور زبان کا نہیں بلکہ خیالات، اخلاق اور اصولوں کا ہو سکتا ہے۔ ایک ماں کے دو بچے اپنے نسب کے لحاظ سے چاہے ایک ہوں، لیکن اگر ان کے خیالات اور اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو زندگی میں دونوں کی راہیں الگ ہو جائیں گی۔ اس کے برعکس مشرق اور مغرب کے انتہائی فاصلے پر رہنے والے دو انسان اگرچہ ظاہر میں کتنے ہی ایک دوسرے سے دور ہوں،